R. N. 2186/57 Regd. No. A. 827

انجمن ترقی اردو ھند کا ھفتہ وار اخبار

Telephone No. 79

Telegrams "ANJUMAN"

ہماری زبان

جلد ۲۱ - شمارہ ۵ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | علی گڑھ - یکم فروری ۶۲ء

محمد احسن الشبلی ایم اے

اُردو طباعت کے لئے رومن رسمِ خط

سوڈیڑھ سو سال سے اُردو رسم خط کی اصلاح سے اگرچہ دلچسپی برتی گئی ہے، لیکن کوئی ٹھوس اور کامیاب عمل مفقود رہا ہے۔ اس موضوع پر اب مضامین فراہم ہو رہے ہیں۔ "ہماری زبان" میں بھی اس موضوع پر بیش قیمت مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ میں نے پچھلے پانچ چھ سال 'رسم خط کی نفسیات' (PSYCHOGRAPHOLOGY) کو پیش نظر رکھ کر کام کیا ہے۔ تقریباً تین سال قبل ایک کتابچہ بھی "اردو رسم خط کی تجدید" کے نام سے لکھا تھا۔ اب جبکہ اعلیٰ حلقوں میں رومن رسم خط کو اپنانے کی طرف رجحان ظاہر ہو رہا ہے، چند اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) رسم خط کی تبدیلی صرف طباعت تک محدود ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ تمام رومن یا رومن نما رسم خطوں (سوائے یونانی لپی کے) کی طرح ہی دستِ تحریر اور مطبوعہ حروف کے درمیان تفریق باقی رہے گی۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہماری تمام پچھلی تصنیفوں کو ضرر پہنچنے کا خدشہ نہیں رہے گا نیز مذہبی لٹریچر حسب معمول سالم رہے گا۔

(۲) کیپٹل (CAPITAL) حروف اور چھوٹے حروف صرف سائز میں مختلف رہیں نہ کہ جنس میں۔

یہ خصوصیت روسی، بلغاری اور بعض دوسرے رسم خطوں کی ہے۔ جس کے نتیجہ میں یہ رسم خط کلیتہً رومن رسم خط پر فائق ہو جاتا ہے۔ میں نے اس خصوصیت کا تذکرہ کئی سال قبل ہی کر دیا تھا۔

(۳) اُردو حروف کو (بہ شمول 'ڈ' 'ڑ' وغیرہ کے) بجنسہٖ ترجمہ کیا جائے، اور ایسی مختلف انگریزی حروف کی آوازوں سے بے تعلق اور آزاد رہے۔ اس طرح اُردو ہجا کی انفرادیت سلامت رہ سکے گی۔ اگر اتفاقی طور پر اُردو حروف اور انگریزی حروف میں اشتراک پیدا کیا جائے تو یہ قابل قبول ہو سکتا ہے۔ مثلاً 'ب' کے لئے 'B'۔ 'پ' کے لئے 'P'۔ 'ٹ' کے لئے 'T' وغیرہ۔

اُردو میں حروف تہجی مکمل ہیں۔ ہم آواز حروف کی موجودگی سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس ضمن میں متذکرہ بالا کتابچے میں کچھ بحث بھی کی گئی ہے۔

ذیل میں مجوزہ حروف پیش کئے جا رہے ہیں۔

I	B	P	2	T	E	J	U	H	⊕	C	D	
ا	ب	پ	ت	ٹ	ث	ج	چ	ح	خ	د	ڈ	
e	R	D	Z	∴	S	W	Q	U	Y			
ذ	ر	ڑ	ز	ژ	س	ش	ص	ض	ط			
X	ᘐ	⊙	F	Δ	K	G	L	M	N	V	O	A
ظ	ع	غ	ف	ق	ک	گ	ل	م	ن	و	ہ	ے

ہائے مخلوط (ھ) کو "O̤" اور نون غنہ کو "N̤" لکھا جائے۔

الف مقصورہ بجنسہٖ موجود رہیں گے۔ زیر ـِ زبر ـَ اور پیش ـُ رہے گا۔ تنوینیں بھی علی الترتیب ـً ، ـٍ اور ـٌ ہوں گے جزم ـْ ۔ تشدید ـّ ہمزہ ـٔ اور مد ـٓ رہیں گے۔ مد کے عوض حرف کے بازو الف مقصورہ بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔ "اے" (TJ) یا "او" (आ) کی آوازوں کے لئے کوئی اعراب مقرر نہ کئے جائیں۔ یائے معروف کے لئے زیر اور یائے مجہول کے لئے حرف 'یا' کے ساتھ زبر استعمال کیا جا سکتا ہے جبکہ واؤ معروف کے لئے پیش اور واؤ مجہول کے لئے حرف واؤ کے ساتھ زبر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح اردو میں حروف علت کی تخفیص بھی دور ہو جائے گی۔

نصیر الدین ہاشمی

رسالہ دکن ریویو

"رسالہ دکن ریویو" حیدرآباد سے مولوی ظفر علی خاں صاحب مرحوم ماہوار شائع کرتے تھے۔ اب اس کے پرچے کسی کتب خانہ میں مکمل نہیں ہیں، خیال تھا کہ نواب سالار جنگ کے کتب خانہ میں اس کے مکمل نسخے ہوں گے مگر یہاں صرف تین نسخے ہیں ان کی صراحت بیان کی جاتی ہے۔

(۱) رسالہ نمبر (۹) جلد دوم ماہ ستمبر ۱۹۰۲ء

ٹائٹل پیج پر چار مینار کا نقشہ ہے اور اس کے اوپر "بسرپرستی مہاراجہ یمین السلطنت کے سی آئی ای وام اقبالہٗ وزیر اعظم دولت آصفیہ درج ہے۔" چار مینار کے نیچے جلی حروف میں "افسانہ" اس کے نیچے یہ عبارت ہے

"اعلیٰ درجہ کے انگریزی ناولوں کے تراجم کا ماہوار رسالہ" پھر اس کے نیچے جلی حروف میں "دکن ریویو" درج ہے۔ پھر اس کے نیچے ظفر علی خاں بی اے　　سید محفوظ علی بی اے
ایڈیٹر　　لکھا گیا ہے۔

اس پرچہ کے مضامین حسب ذیل ہیں

(۱) میں نے اسلام کیوں قبول کیا　　ڈاکٹر محمد عزیز الدین دانشی کامنت ڈاکٹر آف فلاسفی جرمن یونیورسٹی

(۲) نظم　　ظفر علی خاں

(۳) ریویو انتقاد　　پروفیسر انتقاد

(۴) افسانہ لندن جلد دوم　　ظفر علی خاں

ڈاکٹر عزیز الدین کا مضمون دراصل ان کے انگریزی یا جرمنی مضمون کا ترجمہ ہے ظفر علی خاں کی نظم بارہ شعر کی ہے جو حسب ذیل عنوان کے تحت درج ہوئی ہے۔

"بتاریخ ۲ ستمبر ۱۹۰۲ء امراء و عمائد حیدرآباد کا ایک جلسہ حضرت سید شاہ عبد الرحیم صاحب قیصر القادری کے مکان پر اس غرض سے منعقد ہوا کہ اشاعت اسلام کے لئے آپس کے چندہ سے ایک فنڈ قائم کیا جائے یہ نظم اس موقعہ پر پڑھی گئی"۔

شاہ عبد الرحیم صاحب ایک مشہور صوفی بزرگ اور سر افسر الملک کے سمدھی ہوتے تھے کیونکہ شاہ صاحب کے فرزند سید شاہ عبد الغنی صاحب نے افسر الملک کی دختر سے بیاہ کیا تھا

نظم کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

جمع ہوئے ہیں جو قوم کے سردار آج　　دیکھنے آئے ہیں لوگ رونق دربار آج
مختلف ادیان قوم [illegible]　　آپ نے [illegible] ثابت دسیار آج
بسکہ ہے پھیلی ہوئی روشنی اسلام کی　　انجم شمس و قمر ہو گئے بیکار آج
خود غرضی چھوڑ کر بیٹھے ہیں ہم بے غرض　　سہل جو کھٹکے ہوتا ہے دشوار آج
رہ خدا میں کریں جیبوں کو [illegible]　　جیتے ہیں جو ہمیں [illegible] دیکھیں [illegible] آج

رسالہ انتقاد کا ریویو مکالمہ کی صورت میں مزاحیہ انداز میں لکھا گیا ہے۔ آخری صفحہ پر خیابان فارسی اور سیر ظلمات کا اشتہار ہے۔

(۲) دوسرا پرچہ دکن ریویو سلسلہ جدیدہ کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس پرچہ پر نمبر (۱) جلد اول ماہ نومبر ۱۹۰۶ء درج ہے۔ اس پرچہ کے مضامین حسب ذیل ہیں:

(۱) غرض مدعا　　ایڈیٹر
(۲) سلطان صلاح الدین　　مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی اے جج ہائی کورٹ
(۳) دنیا کا خاتمہ　　ایڈیٹر
(۴) اساس الاخلاق　　مرزا سلطان احمد خاں صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر
(۵) پردہ کا جنازہ　　نقاش
(۶) غزل　　شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی لکھنوی
(۷) ماہ گزشتہ　　ایڈیٹر
(۸) مرقع مشاہیر بدر الدین طیب جی　　ترجمہ از مضمون انگریزی شمس عباس طیب جی

"غرض مدعا" میں یہ بتایا گیا ہے کہ دکن ریویو کچھ عرصہ کی غیر حاضری کے بعد ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ رسالہ کے ملتوی ہونے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ایڈیٹر طول و طویل علالت میں مبتلا ہو گئے تھے۔

سلطان صلاح الدین بڑے معرکہ کا مضمون ہے صرف آٹھ صفحے اس میں شامل ہیں نہیں معلوم مضمون مکمل ہوا یا نہیں۔

"دنیا کا خاتمہ" طویل مضمون ہے اور مزاحیہ رنگ میں لکھا گیا ہے نہیں معلوم ظفر علی خاں کا لکھا ہوا ہے یا محفوظ علی صاحب کا۔

"پردہ کا جنازہ" بھی غالباً ظفر علی خاں کا مضمون ہے۔ اس میں "حیدرآباد کے ۱۹۳۵ء" میں ہونے والے واقعات اور مناظر بتلائے گئے ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں تو نہیں البتہ اب ۱۹۹۰ء اس مضمون کی بہت ساری باتیں ثابت ہو رہی ہیں یعنی ظفر علی خاں کے ۱۹۰۶ء کے خواب کی تعبیر ۱۹۳۵ء میں تو نہیں بلکہ ۱۹۹۰ء میں صادق ہوئی ہے۔ اس مضمون سے جہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کی آزادی کا جو قیاس کیا گیا تھا اور جن نتائج کا پیش قیاس کیا گیا تھا وہ تو صحیح ہو گئے مگر ۱۹۰۶ء میں یہ خیال اور شان و گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ انگریز ہندوستان سے چلے جائیں گے اور ہندوستان جمہوری ملک بن جائے گا۔ کانگرس برسر اقتدار آ جائے گی اور سلطنت آصفیہ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور آصف جاہ بے ملک بے حکومت کے ایک شہری بن جائیں گے۔

مولانا شبلی کی فارسی غزل شائع ہوئی ہے اس کا مطلع اور مقطع درج کئے جاتے ہیں:

فرصتم باد کہ یا بادہ و مینا باشم　　چند بیہودہ بہ بند غم دین باشم

دامن ایش زدستم نرود تا شبلی
دامن کج کلہی از کف ندہم تا باشم

"ماہ گزشتہ" کے عنوان میں گزرے ہوئے مہینے کے اہم واقعات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اکتوبر ۱۹۰۶ء مسلمانوں کے ایک وفد کے وائسرائے سے ملنے کا تذکرہ ہے جسے "اسمبلی" کی تشکیل کا پہلا قدم

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

اداریہ

ادبی مسائل

(۶)

اُردو تنقید پر پہلے مذہبی اور اخلاقی قدروں کی گرفت بہت سخت تھی۔ اُنیسویں صدی کے آخر میں اصلاحی اور قومی نقطۂ نظر آیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ادب کی اپنی اہمیت بھی محسوس کی جانے لگی اور شروع میں یہاں ایک رومانی پہلو غالب رہا۔ رفتہ رفتہ زمانے کے حالات نے سماجی پہلو کی طرف مائل کیا۔ یہ لے اتنی بڑھی کہ ادب کو سماجی دستاویز سمجھا جانے لگا اور فکر کے محور کی جستجو میں فن کے تقاضے نظر انداز ہونے لگے۔ پھر بھی یہ کوشش ایک سنجیدہ اور علمی کوشش تھی اور جب اس میں توازن آیا تو بعض بڑے مفید نتائج سامنے آئے۔ اس میں یہ خرابی ضرور تھی کہ مغرب میں جو معیار تھے وہ آنکھ بند کر کے مان لئے گئے تھے اور یہاں کے مخصوص حالات میں ان اصولوں کی کارفرمائی میکانکی طریقے سے دیکھی گئی تھی۔ جب آزادی نے نئے حالات پیدا کئے تو یہ اُمید بندھی کہ اب تنقید صرف مشرقی یا صرف مغربی نہ رہے گی۔ مشرقیت کے احساس کے ساتھ مغرب کو عالمی معیاروں کی روشنی میں جذب کرنے لگی۔ مگر ہوا یہ کہ آزادی نے اپنی چیزوں کے ساتھ اتنی محبت پیدا کر دی کہ عالمی معیار کچھ دُھندلے پڑ گئے۔ مغرب کی اندھی تقلید مُضر ہے۔ مگر مغرب انسانیت کے ارتقا میں جن منزلوں سے گزرا ہے اُس کے عرفان کے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ موجودہ برق رفتاری میں یہ ممکن ہو گیا ہے کہ جو چیزیں دوسری جگہوں پر صدیوں کے ریاض کے بعد ممکن ہوئی ہیں ان سے ہم نسبتاً جلد بہرہ ور ہو سکیں۔ جادۂ صد سالہ، کبھی کبھی، آہے گاہے، سے ابھی طے ہو سکتا ہے۔ اسی لئے ہماری سوچی سمجھی رائے ہے کہ تنقید میں مغرب سے ہم ابھی بہت کچھ لے سکتے ہیں۔ ہاں اس کے برتنے میں بڑی دانش مندی اور پختگی کی ضرورت ہے۔ ہر ادب کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں۔ یہ خصوصیات یونہی نہیں آتیں۔ جغرافیے، تاریخ، سماج اور تہذیب کی دین ہوتی ہیں۔ یہ کائنات کی ملکیت ہوتے ہوئے مخصوص بھی ہوتی ہیں۔ انھیں پہچاننا اور انھیں کے سہارے سے آگے بڑھنا ضروری ہے۔ اُردو میں فکر و فن کی سربفلک روایات پر عرب و عجم کا سایہ زیادہ تھا۔ فکر و فن کی بنیادوں میں ہندوستانیت کا بھرپور احساس نہ تھا۔ یہ احساس عام کرنا ہے۔ قومی نقطۂ نظر اسی سے پیدا ہوگا۔ اسی سے مشترک تہذیب، چلن، وسیع المشربی، انسان دوستی، اخلاقی بلندی اور ذہنی پاکیزگی کا تصور اُبھرے گا۔ پھر اپنے سرمائے کے اس حصے کو جس میں یہ قدریں نمایاں ہیں، زیادہ اہمیت دینی پڑے گی۔ اگر اس کی وجہ سے تاریخ کا لسانی شعور مجروح ہوتا ہے یا غزل پر کچھ ضرب پڑتی ہے تو اسے گوارا کرنا پڑے گا۔ اس کی وجہ سے ماضی قریب کے علاوہ ماضی بعید کو بھی اہمیت دینی پڑے گی، اور صرف مومن و داغ کے علاوہ ولی اور میر کے چلن کو بھی ایک حد تک اپنانا پڑے گا۔ تنقید اس تصور کے تحت قومی بھی ہوگی سماجی بھی اور پھر انسان دوستی کے اعلیٰ مقامات کی سیر کی مظہر بھی۔ جدید علوم کے مبادیات کے ساتھ اسے دوسرے فنون لطیفہ سے مس بھی پیدا کرنا ہوگا جس سے ہمارے قدما واقف تھے، مگر جس سے آج ہمارے شعرا کم واقف ہیں۔ ذوق کو بھی صرف شائستگی اور نفاست کے پیمانے سے ناپنے کا سوال نہ ہوگا، اس میں توانا عنصر تلاش کرنے ہوں گے۔ نثر میں شاعری کی چاشنی کو کم کرنا ہوگا اور نثر کے اپنے آہنگ کا پتہ چلانا ہوگا۔ شاعری کی زبان اور بول چال کی زبان کی خلیج کو کم کرنا ہوگا اور عام فہم لفظ کے شاعرانہ استعمال پر زور دینا ہوگا۔ شاعر کی شخصیت پر حال میں جو توجہ ہوئی ہے اُس کی سمت گھٹانا ہوگی اور شاعری کے تجزیے کی سمت بڑھانا ہوگی۔ جدید صنعتی تہذیب کے راستے سے سنجیدہ ادب کے لئے جو خطرے پیدا ہوئے ہیں، اُن سے پڑھنے والوں کو آگاہ کرنا ہوگا۔ ذہنی صحت کے لئے مغز پر اصرار کرنا ہوگا۔ لہجے میں جو جھلاہٹ اور قطعیت آگئی ہے اسے بدلنا ہوگا اور تجزیے اور تحلیل کے علمی طریقۂ کار کو اور اپنانا ہوگا۔ تحسین کو مداحی کہہ کر گزر جانے سے کام نہ چلے گا، اس کا حق ادا کر کے آگے بڑھنا ہوگا اور موازنے اور مقابلے کے مراحل طے کرنے ہوں گے۔ تبلیغ یا تلقین کی دلکش وادیاں چھوڑ کر تاثر کے سہارے ذہن پر ایسا خوش گوار اثر چھوڑنا ہوگا جو روشنی اور گرمی دونوں کا حامل ہو۔ تنقید کو اور سائنسی ہونا پڑے گا، تاکہ سائنس کی صحت بیان سے مدد لے کر ادب کی کیفیت میں گہرائی پیدا کر سکے اور جدید دور کی پیچیدہ مصروف اور مشکل زندگی میں تہذیب اور انسانیت کی بہترین قدروں کی خدمت کر سکے۔

انجمن ترقی اردو مغربی بنگال کا میمورنڈم

مغربی بنگال میں اردو کو بھی سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے

پچھلے سال اگست میں حکومت مغربی بنگال نے بنگلہ کو ریاست کی سرکاری زبان بنانے کا بل اسمبلی اور کونسل میں پاس کرا لیا ہے۔ اس بل میں صرف ضلع دارجلنگ میں نیپالی زبان کو بنگلہ کے ساتھ دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کی ترمیم منظور کی گئی تھی، لیکن اردو کو سرکاری زبان کی حیثیت تسلیم کرنے کی ترمیم منظور نہیں ہوئی تھی۔ اب انجمن ترقی اردو ہند کی مغربی بنگال کی شاخ نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ لسانی بل میں مناسب ترمیم کرکے اردو کو بھی مغربی بنگال کی سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے۔

انجمن ترقی اردو مغربی بنگال نے اپنا مطالبہ میمورنڈم کی شکل میں ڈاکٹر بی۔ سی رائے کے سامنے پیش کیا ہے۔ یہ میمورنڈم ۴ر جنوری سنہ ۱۹۶۲ء کو بھیجا گیا جس کا جواب وزیر اعلیٰ نے انجمن کے صدر سید بدر اللہ جی صاحب ایم ایل اے کو دیا ہے۔ وزیر اعلیٰ نے اپنے جواب میں لکھا ہے کہ "آپ کا خط مورخہ ۴ر جنوری ۶۲ء اردو کو مزید سرکاری زبان بنانے کے متعلق موصول ہوا۔ اس معاملے پر اطمینان سے غور و خوض کی ضرورت ہے اور میں جلد ہی ایسا کروں گا۔"

انجمن ترقی اردو مغربی بنگال نے اپنے میمورنڈم میں وزیر اعلیٰ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی ہے کہ مغربی بنگال ہمیشہ سے اردو کا گہوارہ اور مرکز رہا ہے اور آج بھی اس ریاست میں اردو کو یہ مقام حاصل ہے یہاں نہ صرف اردو بولنے والے لاکھوں کی تعداد میں آباد ہیں بلکہ مکتبوں مدرسوں اور اسکولوں کا جال پھیلا ہوا ہے جس میں ذریعہ تعلیم اردو ہے کلکتہ سے اردو کے چھ روزنامے شائع ہوتے ہیں اور متعدد دیگر رسائل و کتب کی اشاعت بھی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں مزید کہا گیا ہے کہ خاص طور سے کلکتہ، ہوڑہ، ہوگلی، مرشد آباد، آسنسول، ۲۴ پرگنہ، کھڑگ پور، مدناپور، مغربی دیناج پور، مالدا اور پورنیہ وغیرہ میں اردو بولنے والے بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ پورنیہ کے جو علاقے بہار سے مغربی بنگال میں ریاستی حد بندی کمیشن نے ملائے تھے، ان کے الحاق کے وقت بھی یہ شرط لگائی گئی تھی کہ ان علاقوں میں اردو کا رواج باقی رہنا چاہیئے۔ لیکن تنہا بنگلہ کو ریاست کی زبان قرار دینے سے ریاستی حد بندی کمیشن کی سفارش رد ہو جاتی ہے۔

میمورنڈم میں انجمن ترقی اردو مغربی بنگال نے اس امر کا اظہار کیا کہ خود ڈاکٹر رائے نے ملک میں لسانی جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے اپنا مشہور بنگالی فارمولا پیش کیا تھا جس کے تحت ہر ریاست کو ایک سے زیادہ زبانوں کی ریاست قرار دینے کی تجویز کی گئی تھی اور اس میں کہا گیا تھا کہ کسی ریاست میں ۵ فی صدی بولی والی لسانی اقلیت کو بھی اس کی زبان سرکاری طور پر ماننے کا حق دیا جائے۔ اگرچہ ڈاکٹر رائے کا یہ فارمولا وزرائے اعلیٰ کی کانفرنس منعقدہ اگست سنہ ۱۹۶۱ء میں منظور نہیں ہوا پھر بھی انجمن نے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر رائے سے درخواست کی ہے کہ وہ اپنی ریاست میں فراخ دلی کا ثبوت دیں۔ میمورنڈم میں اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ ڈاکٹر رائے کا رویہ ابھی تک اردو کے ساتھ ہمدردانہ و دوستانہ رہا ہے امید کی جاتی ہے کہ وزیر اعلیٰ سابقہ سلوک کو برقرار رکھتے ہوئے اردو کے حقوق کا تحفظ کریں گے۔ انجمن نے کہا ہے کہ صرف زبانی وعدے اور یقین دہانی کافی نہیں ہو سکتی ہے۔ اردو کی بقا کے لئے اس کا مطالبہ مانتے ہوئے لسانی بل میں ترمیم کی جائے۔ اردو کو بھی مغربی بنگال کی ایک سرکاری زبان تسلیم کیا جائے۔ میمورنڈم میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر پوری ریاست میں اردو کی یہ حیثیت تسلیم نہ کی جائے تو جن علاقوں میں اس کے بولنے والوں کی بڑی تعداد آباد ہے وہاں یہ آئینی شکل اختیار کی جائے۔

(سکریٹری)

سالانہ رپورٹ انجمن ترقی اردو ڈاسنہ

۲۰ر جنوری سنہ ۱۹۶۱ء بروز جمعہ کو انجمن ترقی اردو قصبہ ڈاسنہ ضلع میرٹھ کا قیام عمل میں آیا۔ ۸ر فروری سنہ ۱۹۶۱ء کو انجمن کا ایک عام جلسہ ہوا جس میں مردم شماری کے متعلق غور و خوض کیا گیا اور انجمن کے ممبروں کو اپنے اپنے حلقوں میں صحیح طور پر مردم شماری کرانے کے لئے اور شمار کار کے ساتھ بطور ہمدرد و معاون ساتھ رہنے کے لئے ہدایات کی گئیں۔ بحمد اللہ مردم شماری کے بارے میں انجمن اپنے فرائض سے بڑی دیانتداری کے ساتھ سبکدوش ہوئی۔ شمار کاروں کے ساتھ بڑی محنت و محبت سے مردم شماری کرائی اور معلومات کے سلسلے میں امداد و تعاون کیا۔ صدر و سکریٹری نے مقامی کے علاوہ بیرونی دورہ بھی کیا اور بیرونی احباب کے پاس مردم شماری کے سلسلے میں برابر تحریری ہدایات روانہ کی جاتی رہیں۔

۲۴ر اگست سنہ ۱۹۶۱ء کے جلسے میں حکومت یو۔پی کی "لسانی کمیٹی" کے سوال نامے پر غور کیا گیا اور جہاں تک معلومات بہم پہنچیں جوابات دئے گئے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق کی وفات پر تعزیتی قرار داد منظور ہوئی اور مرحوم کی اردو خدمات کو سراہا گیا۔ آخر میں خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

۱۰ر اکتوبر سنہ ۱۹۶۱ء کو انجمن کے زیر اہتمام ایک شبینہ مدرسہ قائم کیا گیا، جہاں بے پڑھے لکھے لوگوں کو اردو کی تعلیم دی جا رہی ہے تاکہ اردو اپنی روشنی ان تاریک گوشوں تک پہنچا سکے۔ یہ مدرسہ شبینہ بفضلہ تعالیٰ بہت اچھی طرح چل رہا ہے اور اس کی وجہ سے عوام میں اردو سے کافی دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ نیز انجمن سے متعلق کافی جوش و خروش پایا جاتا ہے۔

(عرفان ڈاسنوی سکریٹری انجمن ترقی اردو قصبہ ڈاسنہ)

ضروری گذارش

براہ مہربانی انجمن سے متعلق جملہ خط و کتابت اور رسالہ جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کے پتہ پر فرمایئے

بلکہ یہ وسیلہ طلب کی فضا بنانی ہے۔ تاج الدین فیروز اس کے بارے میں فرشتہ لکھتا ہے کہ وہ نہ صرف عربی، فارسی اور ترکی جانتا تھا بلکہ تلگو، کنڑی، مراٹھی، گجراتی اور بنگلہ زبانوں میں اتنا ماہر تھا کہ بلا تکلف ان میں بات چیت کرتا تھا۔ اس کا حرم ان زبانوں کے بولنے والی بیگمات سے بھرا تھا۔ شہاب الدین احمد شاہ کا عرس ہوتا تو لنگایتوں کے جلوس بھی گرو سینکڑوں چیلوں کے ساتھ بیدر آتے تھے، سنکھ پھونکتے تھے، باجے بجاتے تھے، ناریل توڑتے تھے اور پھول بڑھاتے تھے۔ عادل شاہیوں نے مراٹھی اور اُردو کو نوازا۔

شیواجی نے مراٹھی ریاست قائم کی لیکن قرآن کی حرمت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ وہ ایک مسلمان درویش کو اپنا پیر و مرشد مانتا تھا۔ ماجی راؤ پیشوا کے گھر مسلمان ماں سے بیٹا پیدا ہوا جس کا نام علی بہادر رکھا گیا۔ اس کو بُندیل کھنڈ ریاست کا جاگیردار مقرر ہوا۔ اس کی اولاد نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں سے لڑ کر اپنی جائداد گنوادی۔

ہندوستان کی کہانی تو اتنی طولانی ہے کہ اس کے لئے ایک عمر چاہئے لیکن یہ کہانی ایک دریا ہے جسے جاننے کے لئے اس کے منبع سے شروعات کرنی چاہئے۔ آنکھوں کے سامنے اس کے بہاؤ کا پورا نظارہ ہونا چاہئے۔ کب سے یہ بڑھتی، پانی اُبلا اور چاروں طرف پھیلا۔ کب ندی سوکھ سی گئی، گرد لیں ہو گئی، سکڑی پر بہتی رہی۔ آگے چل کر پھر تیز ہوئی، چھلانگیں مارتی بڑھتی دکھائی دی۔ اس سمجھنے کو ہندوستانیوں کے دلوں میں بٹھانے کی ضرورت ہے۔ ہندوستان سے لگاؤ اپنے پرانے کارناموں کے جاننے سے پیدا ہو سکتا ہے بشرطیکہ انھیں اپنا سمجھ کر اپنی ہار جیت کی داستان مانا جائے۔ ماضی کے ذکر کے ساتھ ساتھ مستقبل کی طرف بھی دھیان دینے کی ضرورت ہے جو شاعر کی دور بین نگاہیں مستقبل کے دھندلکے میں سماج کی قد و قامت کا اندازہ لگا سکتی ہیں۔ شاعر کا احساس اہل قدرت کے ساز کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا ہے کیا عجب کہ کائنات کے چھپے انجان گوشوں کا بھی راز ہو۔ وہ انسانوں کے جذبوں کے ساتھ ایسے کھیلتا ہے جیسے ایک سنگیت کا ماہر باجے کے پردوں پر۔

پھر کیوں نہ اُردو کا ہندوستانیت کے سرچشمے سے قوم کو ایک مجسم شریت بنادے میری بھی التجا ہے اُردو اس مقدس مقصد کو پورا کرنے میں کامیاب ہو۔

مراسلہ

اچھی صورت بھی کیا بُری شے ہے
جس نے ڈالی بُری نظر ڈالی

اخبار ہماری زبان، ۸ جنوری ۱۹۷۲ء کے ذریعہ علی والا صاحب بھوپال نے دریافت فرمایا تھا کہ مشہور مصرعہ کس کا ہے۔ آج غزلیات کا ایک مجموعہ نظر سے گزرا جو امیر مینائی، داغ دہلوی، مضطر خیرآبادی، جلیل وغیرہ مقتدر شعرا کے کلام پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک اور صفحہ دو پڑھنے کا پتہ حسین میرزا تاجر کتب بمبئی کا محمد علی روڈ بمبئی نمبر ۳ درج ہے۔

کلیات مجاہد مرحوم کیف کے شعروں میں جو غزل شامل ہے اس میں وہ مقصد شعر موجود ہے پوری غزل کی نقل یہ ہے: —

دل کی حسرت خراب کر ڈالی	کس نے جادو بھری نظر ڈالی
تیرے مرنے کی شہرت کرتے ہوئے	کس کھٹائی میں کیا خبر ڈالی
مجھ سا ایک ہر جائی کیا ملا	وہ قدم تم نے کس کے گھر ڈالی
مرض عاشقی کر کے تڑپے	سب نے مشکل گزر کر ڈالی
اچھی صورت بھی کیا بُری شے ہے	جس نے ڈالی بُری نظر ڈالی
کیف نے دی جان کر اس کو	دھول دُنیا کے نام پر ڈالی

جیسا کہ جناب مستفسر نے فرمایا ہے یہ شعر بہت عوام الناس تک گیا ہے اور اس کا مصرعہ اکثر زبان پر رواں ہے۔ اس میں ایک عامۃ الورود خیال کی ترجمانی کی گئی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اس کو سن کر لینے اور فوراً یاد ہو جانے کی ہے۔ غزل کے بقیہ اشعار میں کوئی خصوصیت نظر نہیں آتی۔ دہلی والوں نے اپنے ایک ناول کا نام "جس نے ڈالی بُری نظر ڈالی" تجویز کیا ہے۔ یہ ناول شائع ہو چکا ہے اور ناظم کی بک ایجنسی بمبئی میں برائے فروخت موجود ہے۔

کیف تخلص ایک شاعر قدیم زمانے میں لکھنؤ میں بھی تھے۔ نواب شیفتہ نے ان کا ذکر اپنے تذکرہ میں کیا ہے مگر ان کے مزید متعلقات معلومات میں نہیں۔ گزشتہ نصف صدی کے دوران کیف ٹونکی البتہ مقبولیت و شہرت کے لحاظ سے نمایاں رہے ہیں۔ ان کا نام ولایت اللہ خاں تھا۔ یہ ٹونک کے رہنے والے اور حافظ قرآن تھے۔ نعت گو شعرا میں ان کو خصوصیت حاصل ہے اور اسی جہت سے یہ عامۃ الناس میں مشہور و مقبول ہیں۔ میلاد خواں طبقہ میں اب بھی ان کا کلام نوک زبان ہے اس سے ان کی مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔ کیف اور پاکیزگی ان کے کلام کے دو سرے جوہر ہیں۔ دیوان ان کا شائع ہو چکا ہے۔ پروفیسر محمد الیاس برنی نے "منتخبات نظم اُردو" کے سلسلے میں جتنے کلام پر مشتمل جو ایک کتاب کا جداگانہ ایک سیٹ مجموعہ کے نام سے بھی مرتب کیا ہے۔ اس کے ہر حصے میں بکثرت میر تقی، حمزہ حیدرآبادی، سالک گنگوہی، نیاز بریلوی، شہید، ضیا، امیر مینائی، حافظ علی حسن وغیرہ شعرا کی بلند مرتبہ چالیس چالیس نعتیں درج ہیں۔ اسی سلسلے کے دوسرے حصے میں کیف ٹونکی کی بھی شامل انتخاب کیے گئے ہیں۔

(معراج رضا بمبئی)

پتہ دیکھئے

اگر آپ کے پتہ کے گرد سُرخ نشان ہے تو یہ اس امر کی علامت ہے کہ دو اشاعتوں کے بعد آپ کی میعادِ خریداری ختم ہو جائے گی۔ مہربانی فرما کر ہماری زبان کی سالانہ قیمت مبلغ تین روپے منی آرڈر سے بھیجئے تاکہ یہ سلسلہ جاری رہے۔ — منیجر

رئیس مینائی

مکاتیب مشاہیر بنام حضرت نفیس بنگلوری

اردو ادبیات میں خطوط بڑی اہمیت رکھتے ہیں چونکہ خطوں کے ذریعہ ادیب کی زندگی اس کی شخصیت کے خدوخال اور اس کی نفسیات و کردار کے مختلف اجزا و عناصر بآسانی دیکھے جاسکتے ہیں۔ شاید اسی لئے ڈاکٹر جانسن نے کہا تھا: A man's soul lies naked in his letters (ایک شخص کی روح اس کے خطوط میں برہنہ نظر آتی ہے)

اس آئینہ میں مکتوب نگار کے نفسیاتی میلانات و رجحانات اور ذہنیت کے تدریجی ارتقا کا اصلی روپ ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ ایرشٹارک کا کہنا ہے "تحریر صرف ہاتھ کی نہیں بلکہ دماغ کی تحریر ہے" یہی بات دوسرے لفظوں میں فرانسیسی نقاد نے کہی ہے۔

خطوں کا آرٹ ایک ایسا آرٹ ہے جس میں ٹھہراؤ اور انجماد نہیں ہے۔ یوں تو غالب سے لے کر صفیہ اختر تک تمام مشاہیر نے "ذوقِ مخاطبت کی طلب گاریاں" کی ہیں لیکن بقول خواجہ احمد فاروقی "خطوں کے بنیادی مباحث یا احساسات اگر ایک ہوں تب بھی ان میں لب و لہجے اور شخصیت کا فرق ہمیشہ باقی رہے گا۔"

اس نتیجہ کی روشنی میں ہم عہد بعہد کے مکتوباتی ادب کا اگر جائزہ لیں تو ممکن ہے مکتوب نگاروں کے افکار و امیال اور رجحانات کے استخراج میں مطابقت ہو لیکن اسلوب و ہیئت، طریق اظہار اور لب و لہجے کے اعتبار سے سب میں تفاوت ہوگا۔ اردو کے مکتوباتی ادب روایات اور تدریجی ارتقا سے کچھ بحث نہیں ہے۔ اس پر ہمارے باشعور نقادوں اور دانشوروں نے اپنی وسیع اور جامع رایوں کا اظہار کیا ہے اور حد یہ ہے کہ

ع ہیچ گہ ذوقِ طلب از جستجو بازم نہ داشت

والا معاملہ ہے۔

ذیل میں جن غیر مطبوعہ خطوط کا تعارف کرایا جا رہا ہے وہ میرے والد مرحوم حضرت نفیس بنگلوری سے متعلق ہیں۔ "ہماری زبان" کے گذشتہ دو شماروں میں والد مرحوم کا اجمالی تعارف کرا چکا ہوں۔

(۱) جنوبی ہند کا ایک مایۂ ناز اردو شاعر" مورخہ ۸ اکتوبر سنہ ۱۹۶۱ء

(۲) "اولی استفسارات" مورخہ یکم اکتوبر سنہ ۱۹۶۱ء) اب مزید کسی تعریف و تعارف کو تحصیل حاصل سمجھتا ہوں تاہم اتنا عرض کروں گا۔

کبھی نہ قدر ہوئی یہ خیال لے کے چلے
لحد میں ساتھ ہم اپنا کمال لے کے چلے

---

(۱) مکتوب حضرت وسیم خیرآبادی

۱۷ مارچ سنہ ۱۹۳۲ء

محبی شفیقی نفیس دام محبتہٗ!

بعد سلام مسنون، خلوص شمیم وسیم ہے کہ یہ دو غزلیں مرسلہ آپ کی میں نے دیکھیں کہیں کہیں ترمیم کا گیا ہے ماشاء اللہ آپ خوب کہتے ہیں

عمدہ مضامین کو چست بندشوں میں لانا ردیف کو نہ جانے دینا بہی مشکل ہے اور اسی کے لئے استاد کی ضرورت ہے تو یہ سب باتیں آپ میں موجود ہیں اور بعونہٖ مشق سخن بھی آپ کے کلام سے پائی جاتی ہے مگر یہ آپ کے کمال کی دلیل ہے کہ پھر بھی آپ اپنے کلام کو محتاج اصلاح سمجھ کر میرے پاس بھیج دیتے ہیں۔ بہت اچھا میں دیکھ کر پسند کرکے اشعار پر صاد بنا دیا کروں گا مگر ماہ صیام تک معاف رکھئے اور آئندہ اس بات پر لحاظ رکھئے کہ ایک ماہ میں دو غزل انتہائی غزل بھیجا کیجئے بسبب کثرت تلامذہ و کار شکستہ بہت ہی عدیم الفرصت ہوں۔ غزل گلشن سے تلاش کی گئی نہیں ملی مکرر بھیج دیجئے گا دیکھ کر ضرور روانہ کردوں گا۔ باقی امور مندرجہ خط کی تعمیل نور چشم انجم کریں گے۔

اور اس کی طرح پر مصرعہ
"کہیں سمجھتے نہ دیکھا اگر دکو دریا کے دامن پر"
اگر ممکن ہو تو غزل کہہ کر اندر ڈیڑھ ماہ کے بھیج دیجئے اس سے کہ بہ لحاظ تخلص غزل آپ کے دوسرے حصہ میں جائے گی۔ انجم سلام شوق کہتے ہیں
راقم آثم۔ وسیم۔ بقلم

(۲) مکتوب عزیز یار جنگ

عزیز منزل حیدرآباد دکن
یکم فروری سنہ ۱۹۳۳ء

محبی!

محبت نامہ کا شکریہ، عروضی کے متعلق آپ کی تجویز بالکل صحیح اور کار آمد ہے ضرور اس کو شائع کیجئے مثال کے طور پر کسی کا کلام ہو پانچ پانچ شعر سے زیادہ درج نہ کیجئے۔ بیکار طوالت سے کیا حاصل اور جو شعر منتخب ہوں چوٹی کے ہوں اور جیسا کہ آپ کا خیال ہے شعراء حال ہی کا کلام زیادہ مناسب ہوگا

براہ مہربانی اس کے خریداروں کے رجسٹر میں میرا نام بھی درج کرلیا جائے اور بعد طبع ایک جلد بذریعہ "وی پی" ارسال ہو۔

"ارمغان عزیز" جلد اول کا کوئی نسخہ باقی نہیں، ورنہ ضرور پیش کرتا۔ آٹھ دس سال ہو چکے جب یہ طبع ہوا تھا اور تھوڑے ہی عرصہ میں فروخت اور تقسیم ہو گیا۔ میرے یہاں مسودہ ہے لیکن کون قدر داں ہے اب تو غزل اپنی اصلی معنی میں غزل نہیں رہی جہاں اور چیزوں میں انقلاب ہے وہاں اس بیچاری (غزل) پر زیادہ بلا نازل ہوئی ہے۔

زیادہ والسلام:۔ عزیز یار جنگ

(۳) مکتوب مولانا اظہر ہاپوڑی

ہاپوڑ
۲۲ جنوری سنہ ۱۹۳۵ء

مخلص و محبی! السلام علیکم

اواخر نومبر میں ایک خط آپ کا موصول ہوا تھا جس میں بعض ضروری

لے فن عروض پر والد مرحوم نے ایک ضخیم اور معرکہ آرا کتاب "میزان سخن" تصنیف فرمائی تھی اور وہ زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی۔ اس خط میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔
لے مجموعۂ کلام نواب عزیز یار جنگ۔

سید حرمت الاکرام

بخیہ گری کون کرے؟

راہرو! منزلِ احساس سے آہستہ گزر
مضمحل کتنا ہے دل، کتنی پشیماں ہے نظر
کبھی سینوں میں شرارے کبھی پلکوں پہ گہر
راہرو! منزلِ احساس سے آہستہ گزر
کانٹوں میں اُلجھی ہے رعنائیٔ نسرین و سمن
محفلِ شب میں سسکتی ہے اجالوں کی دلہن
شوخ کرنوں کی نوازش ہے کہ شبنم کا کفن

اجنبی لمحوں کے صحرا میں بھٹکتی ہے نگاہ
تا ملے روح کو انوارِ تمنا کا سُراغ
تا ملے دردِ فراواں کے شکنجوں سے پناہ
تا ملے غم کی سیہ رات کو بھی کوئی چراغ
ورنہ یہ تیرہ شبی اور بھی بڑھ جائے گی
درد کی بے ادبی اور بھی بڑھ جائے گی
شورشِ تشنہ لبی اور بھی بڑھ جائے گی
زندگی! چارۂ شوریدہ سری کون کرے؟
چاک دامن کی ترے بخیہ گری کون کرے؟

ناوک منصوری

دوہے

رم جھم رم جھم رم جھم بادل برسے چاروں اور
آشاؤں کی بگیا کوکی ناچ اُٹھا من مور
روٹھ گئی ہے ورشا دیوی مانگے سر کا جوگ
کھیتی کے سنگ سوکھ گئے ہیں گاؤں کے سارے لوگ
اپنا گھر بھی ملتا جلتا ہے غالب کے گھر سے
دو گھنٹے بادل برسے تو چھ گھنٹے چھت برسے

حفیظ مالی گانوی

غزل

رنجیدہ اے غمِ ہستی ہیں درخشاں ہوں میں
تیرے جلووں کی قسم طور بداماں ہوں میں
اے غمِ ہوش رُبا تیری نوازش کے طفیل
کائناتِ دلِ برباد پہ نازاں ہوں میں
اک نہ ہونے سے کسی کے یہ ہے عالم دل کا
چاند تاروں کے جلو میں بھی پریشاں ہوں میں
جانے کس عالمِ رنگیں میں ہے مسکن تیرا
بوئے گل بن کے ہر اک سمت پریشاں ہوں میں
تیرہ بختوں کا تصور بھی نہ پہنچے گا وہاں
جس بلندی محبت پہ درخشاں ہوں میں

میر حسین علی افسر

غزل

تم نے شمع تو ہم شمع کے پروانے بنے
حسن اور عشق کے ہر دور میں افسانے بنے
خانقاہیں نہیں کعبہ نہ بت خانے بنے
تیرے دیوانے ہر اک رنگ میں دیوانے بنے
تو نے ناکارہ سمجھ کر جسے توڑا ساقی
اسی ٹوٹے ہوئے دل سے کئی پیمانے بنے
شیخ کعبہ یہ خدا کے لئے بتلا دے مجھے
کس کے جلووں کی نمائش کو صنم خانے بنے
ہوش وہ سرمستِ مئے عشق کہ مستی میں کبھی
میں نے دامن جو نچوڑا کئی میخانے بنے
عظمتِ عشق کا کل تک جو اڑاتے تھے مذاق
آج حیرت ہے کہ وہ بھی ترے دیوانے بنے
یہ بھی کیا خوبیٔ قسمت ہے ہماری افسر
ہم نے اپنا جنہیں سمجھا وہی بیگانے بنے

زخمی حصہ ماروی

غزل

جامِ مے کی جو بات کرتے ہیں
کیف زا اپنی رات کرتے ہیں
وہ اگر التفات کرتے ہیں
مستقل لو کی بات کرتے ہیں
دور رہ کر زمانہ سازی سے
ہم زمانے کی بات کرتے ہیں
ہم قفس میں ہیں اور اہلِ چمن
آشیانوں کی بات کرتے ہیں
رازِ حق سے انھیں ہے آگاہی
خود کو جو صرفِ ذات کرتے ہیں
تم خزاں آشنا رہو تو رہو
ہم بہاروں کی بات کرتے ہیں
بات کس کی سُنے کوئی زخمی
سارے مطلب کی بات کرتے ہیں

واحد انجمی

قطعہ

جس پہ سو سو حقیقتیں قرباں
سو حقیقت ہیں جس پہ ہوں قرباں
وہ فسانہ مرا فسانہ ہے
تو نے ہر طرح مجھ کو دیکھ لیا
دیکھنا اب تجھ کو آزمانا ہے

ڈاکٹر تاراچند صاحب ایم پی

گذشتہ سے پیوستہ

اُردو مشترکہ تہذیب و تمدن کی پیداوار ہے

(آندھرا پردیش اُردو کانفرنس کا خطبۂ صدارت)

اُردو ادب کی نسبت کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں ہندوستانی تہذیب کا رنگ پھیکا ہے۔ یہ خیال کچھ تو لاعلمی پر اور کچھ ہٹ دھرمی پر مبنی ہے اس میں سچائی کم ہے پروپیگنڈہ زیادہ۔ اُردو ادب کی تاریخ پر نگاہ ڈالیے۔ اس کے تین دور ہیں۔ پہلا دور پندرہویں سولھویں صدی سے شروع ہو کر سترہویں کے ساتھ ساتھ ختم ہوتا ہے۔ دوسرا دور اٹھارہویں صدی سے لے کر انیسویں کے بیچ تک جاتا ہے اور تیسرا اس کے بعد سے چل کر آج تک جاری ہے۔

پہلے دور کے دکنی شاعر جن مضمونوں کو نظم کرتے تھے اور جن بھاوؤں اور وچاروں کو شعروں میں باندھتے تھے ان کے نمونے آسانی سے انتخابوں اور دیوانوں میں مل سکتے ہیں۔ یہ ہندوستانی تہذیب سے سرشار ہیں۔ غواصی کی مثنوی سے بہرام اور گل اندام۔ گل اندام کی تعریف میں کہتا ہے:

اور زلفاں اس کو ہنڈولے ہیں	غلط میں کہیا ور سنولے ہیں
پھول باگ تک جو انکھیاں ہیں	کہ و موہنی ہے عجب من ہرن
و گالاں کی سرخی سو لتے ہیں	اور بالاں کی خوشبو کی لپٹے ہیں
اوسے پھول دیتی کے دو گال	چنبے کی کلی ناک ہے درمیاں
عجائب وہ چاند کہ مکھ ان ہے	کہ عرق اس سنے دین ایمان ہے
و جبین سو بجلی کے دروان پا	جو امرت پھل جیسے بات میں
انفعل نے بارہ ماسہ لکھا	جیت کا مہینہ آ ہے ناکا کا
دل بچھ جاتا ہے سکھی سے کہی ہے	
سکھی رے جیت رت آئی سوہائی	انکھوں امید میری بر نہ آئی
یہ عالم پھولیاں پھولوں باس سب	کریا سیراں پیا سنگ تو باں سب
ہے ہی بن مجھ ہو کے پھول لاگ	مرے سینہ بھرائی کا لگا آگ

اسی طرح سب مہینوں کا بیان ہے۔

غواصی نے طوطی نامہ میں ایک وفادار عورت کا قصہ لکھا اور ایک ہندوستانی ستی ستونتی کی تصویر کھینچ دی۔ نصرتی ہندوستان کی دھرتی کا نظارہ بیان کرتا ہے۔ کیسی محبوب جو ایک شیش محل کے مانند ہے پتھر کو چکنا اور مٹی کو راکھ بنا دیتی ہے۔ شاہ محمد امام حسین کی جنگ اور شہر بانو کے غم کی داستان سناتا ہے۔ قاسم شہید ہوتا ہے اور بیوہ چوڑیاں پھوڑتی ہے اور اپنے ہاتھوں میں لہو کی مہندی لگاتی ہے۔ محمد قلی قطب شاہ اپنے باغ کی تعریف کرتا ہے اور ہندوستان کے پھولوں سے ایک معشوق کا نقشہ تیار کر دیتا ہے۔ غرض یہ شاعری ہماری پرانی تہذیب کا آئینہ ہے۔

دوسرے دور میں شاعری نے جو رنگ اختیار کیا اس میں ولی کی اور دھرتی داستان کی جھلک ہے۔ چونکہ اس کا واسطہ شاہی دربار سے تھا اور درباریوں کی زبان فارسی تھی اُردو پر فارسیت چھا گئی۔ زبان کا اثر ادب کی ظاہری اور باطنی حالتوں پر پڑا۔ غزل کا طومار بندھ گیا۔ شاعر ردیف اور قافیہ کی پابندیوں میں اُلجھ گئے۔ شاعری کی جان لفظوں کے توڑوں میں دب گئی۔ پھر بھی سودا کے قصیدوں، آتش و میر اور مرثیوں میں ایک نورانی دکھی سماج کا نقشہ ہے۔ درد اس دنیا سے منہ موڑ اللہ سے لو لگانے کا سبق دیتے ہیں۔ میر کی پیاس ٹوٹے دلوں کی گونج سناتی ہے۔ غالب کا کلام وہ بے پناہ جوش ہے جو بیدار ہوتے ہوئے گری ہوئی زندگی کی بوندوں میں نمایاں ہوتی ہے۔ اس دور میں نظیر اکبر آبادی نے انسانی ہمدردی، مذہبی رواداری اور عوام کی زندگی کو اپنی کویتا کا آدھار بنایا۔ ہندوستانی کھیل تماشوں، ہندوستانی تہواروں اور ہندوستانی اخلاقی فلسفے کے اصولوں سے شاعری کے قوام کو تیار کیا۔

تیسرے دور میں اُردو ادب کا دائرہ وسیع ہوا کہ اس نے فرد اور سماج کی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کیا۔ پچھلے قریب سو سال کے زمانہ میں ہندوستان جس کشمکش میں مبتلا رہا ہے اس کا پورا عکس ادب میں ظاہر ہوتا ہے۔ سرسید اور حالی سے لے کر اکبر اور اقبال تک ادب پر نگاہ ڈالیے۔ قومی اور تاریخی خیالات کی سبھی کیفیتیں دکھائی دیں گی۔ غلامی بھی، وطن کی والہانہ محبت بھی اور وطنیت سے قطعی انکار بھی۔ خودی بھی، ایثار بھی۔ پرانی تہذیب کا سرہ بھی اور نئی کا پیار بھی۔ لیکن یہ سب ہمارے اس قدر نزدیک ہیں اور ہمارے ذہنوں میں ایسا بسا ہوا ہے کہ مثالوں کی ضرورت نہیں۔ ورنہ آپ کے صبر کا بھی امتحان ہے۔

آپ اجازت دیں تو دو لفظ آئندہ کے متعلق بھی عرض کر دوں۔ اردو ایک قوم کی زبان کا ساتھ ہے اور قوم جو بیت گیا اس کی یاد اور جو آنے والا ہے اس کی امید کا مجموعہ ہے کیا ہمارے ادب کی آنکھ اس راستے کی تمام منزلوں کو دیکھتی ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں۔ اور آنے والی منزلوں کا کچھ اندازہ لگاتی ہے۔ کیا اسے یاد ہے وہ زمانہ جب آریوں کا کارواں گنگا کی ندی پار کر کے بنگال تک جا پہنچا اور برہما سے کنیا کماری تک پھیل گیا۔ آریہ اور دراوڑ گھل مل کر ایک ہو گئے۔ شکوں اور ہنوں کی ٹولیاں آئیں۔ ترک آئے مغل اور پٹھان آئے۔ آخر میں پچھم سے سات سمندر پار کر انگریز آئے۔ بھارت ماتا نے انھیں گود میں کھلایا اور دودھ پلایا۔ کچھ نے ہندوستان کی خدمت کا بیڑا اٹھایا۔ انھوں نے ناتا توڑا اپنی ماتوں کو بھلایا اور ہند کو اپنا وطن بنایا۔ کچھ لوگ ہم پر اپنی حکومت جمائی۔ کالے گورے کی تمیز پیدا کی اور ہندوستانیوں کو انھیں حقیر جاننا سکھایا۔

اس چار پانچ ہزار سال کے لمبے عرصے میں کیا کیا نقشے بنتے بگڑتے رہے۔ کیسے کیسے سورما مہاتما، گیانی، دھیانی، کوی، کلاونت پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے جھنڈے گاڑ دیے۔ دنیا کو جگایا۔ شہنشاہ اور اشوک مادھو رائے، اکبر بادشاہ، ظفر تک کیسے کیسے بادشاہ اور بادشاہوں کے ٹھاٹ باٹ نے سری کرشن کی مرلی بانسری گنی۔

اکبر تیجا شاہی اور سارو پر پکا یا تھا۔ ہندو اور مسلمانوں نے بندگی اور سپاہگری کے گن سیکھے۔ اکبر سے بیگ کے لگاؤ کے تحت ... راج دربار کی مسندوں، علمائوں کے حجرے کی حرکتیں سکھائے گئے۔ اکبر نے ہندوؤں سے ناتا جوڑا۔ جہانگیر نے کشمیر کا ارادہ کیا تو دیکھتے ہی دیکھتے بھی جہانگیر سا لگاؤ تھا اور بیت پر دھیان دیا۔ اصل میں روایت ہے کہ مغل وزیر جان کر کہا تھا۔ شاہجہاں کے شاہزادے ہولی کے موقع پر نظم لکھی۔

گویا بہار رنگ خواہ رنگ صد گلشن	در شوق سب اندھوں رو جیسے گلزار آمدہ
شد وقت ہولی با سجن ہا رنگ و پیرہن	جز شاہ چو نگیں ساقین ہا زادم خوار آمدہ
جیم تہی لالہ جان ہیر تا خلعی یو	جہاں ز کاملی ہمہ زمیں گلزار آمدہ

اورنگ زیب کے بیٹے اعظم شاہ کے زمانے میں ہولی کے لئے کھیل کا انتظام کیا گیا۔ عالمگیر ثانی بھی بچپن سے سنتے رہے کہ ہندو رسم جیسی بہار کی آرتی ہے ہر سال بھاؤں میں منایا جاتا تھا۔ مبارک الدولہ انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی تھا۔ خود انگریزوں کی نذر چڑھتا تھا۔ اصل نے تو کھیل کے لئے پہلے ہی تھی لیکن بقول غلام حسین خاں لکھنؤ میں برسات تماشا دیکھا تھا کہ اپنے وطنوں پر قائم تھا۔ پھاگن میں ہولی منانا تھا اور ہولی رنگ کرتا تھا۔ بھاؤں میں گویے ملا تھا۔ کہیں وہ کمال جسے کہلاتا تھا اور ہندو مسلمان دونوں ہی خرچ کر دیتا تھا کہ کیا تو دولی کی دوستی پر ڈالے چھ ہزار لگا دیتا تھا۔

مشاغل کی مصروفیت کی وجہ سے اب تک جواب نہیں لکھ سکا۔ کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ آپ کے رسالۂ عروض میں میرا ہی میرا کلام شواہد و مثال میں پیش کیا جائے۔ میرے خیال میں یہ بات زیادہ مناسب نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے رسالہ کی قدر و منزلت میں کچھ ایراد پیدا کیا جا سکے۔ میری رائے میں آپ جلیل صاحب سے اس میں مدد لیں تو بہت زیادہ مناسب ہوگا یا لکھنؤ میں سے عزیز آرزو وغیرہ کو شریک کار بنائیں تو بھی بہتر ہوگا ورنہ بصورت مجبوری میں تو اس خدمت کے لئے طیار ہوں۔

جے پور میں ایک آل انڈیا مشاعرہ وسط اپریل ۱۹۳۵ء میں منعقد ہوگا جس میں تمام ہندوستان کے مشاہیر شعرا کو مدعو کیا گیا ہے اس مشاعرہ میں مہاراجہ صاحب جے پور بھی شرکت فرمائیں گے اور پنڈت سر تیج بہادر سپرو مشاعرہ کی صدارت فرمائیں گے۔ اگر اس موقع پر آپ بھی تشریف لائیں تو مشاعرہ کے لئے وجہ زینت اور میرے لئے موجب امتنان ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری درخواست کو منظور کرتے ہوئے بواپسی ڈاک جواب سے مطلع فرمائیں گے۔

والسلام خاکسار۔ سید معشوق حسین اطہر وکیل عفی عنہٗ

(۴) مکتوب علامہ آرزو لکھنوی

دیدیا منشن چکلا داڑی نار دیو روڈ بمبئی ۷

۲۲ر فروری ۱۹۳۳ء

حبیبی ناد لطفہٗ!

سلام مسنون پہنچے۔ آپ کی غزل تو اسی وقت دیکھ لی تھی جواب استفسار کے لئے سوچ ہی رہا تھا کہ نوکری کے فرائض سامنے آ گئے مصروفیت بھی بہت رہی۔ بیمار بھی ہو گیا۔ الغرض جھل میں خط بھی اپنے نمبر سے دور ہو گیا۔ آج ملا تو جواب لکھ رہا ہوں۔

جواب استفسار

الف۔ واؤ اور ے عربی کے لئے حروف علت ہیں مگر اردو کے لئے حروف اتمام حرکات ہیں۔ اس وقت کے تلفظ میں دیتے ہوئے آئیں لہٰذا کتابت میں ان کا آنا صرف اظہار حرکت کے لئے ہوتا ہے۔ ایسے تمام حروف کا اسقاط جائز ہے۔ چاہے وہ عربی و فارسی ہی کے کیوں نہ ہوں۔ مثلاً نفسی نفسی[1] میں پہلی (ی)، بولتے وقت دبتی ہے لہٰذا اس کا اسقاط ہی فصیح ہے۔ فارسی میں ہائے مختفی کا اسقاط ہی فصیح سمجھا جاتا ہے تو۔ اور۔ چو۔ کا واؤ بھی ظاہر ہو تو غیر فصیح ہے۔ اب یقین ہے کہ آپ سمجھ جائیں گے۔ جو لوگ ہندی کے حروف مذکورہ کا اسقاط بھی ناجائز سمجھتے ہیں وہ اپنی سمجھ کے مالک ہیں ہمیں دوسروں کے مسلک سے کیا واسطہ۔

آرزو

(۵) مکتوب حضرت زاہد سہارن پوری (تلمیذ حضرت امیر مینائی)

از سہارن پور محلہ شاہ ولایت

۱۰ اکتوبر ۱۹۳۲ء

مجبی! السلام علیکم

پچھلے ہفتے میں کلام لطیف سامعہ نواز ہوا اور میں قدر افزائی بنا یا نفاست طبع نفیس سے دلی مسرت ہوئی۔ حیران ہوں کہ میرا پتہ آپ کو کیسے چلا اور کس نے بتایا۔

میں تو گمنام سا اک شخص ہوں بے نام و نشاں　　پر تو بتلا دو ستم گر نے مرا نام کہاں

آپ کے اس لکھنے کی کیا ضرورت تھی کہ

جس گلستاں کے تم گل تر ہو　　خار اس بوستاں کے ہم بھی ہیں

کیونکہ آخر میں تخلص کے ساتھ "کان اللہ لہ" لکھنا ہی اخوی حافظ جلیل صاحب سے آپ کے تعلقات کا پتہ دیتا ہے۔

مجبا! دس بارہ برس سے مرض ذیابیطس میں مبتلا ہوں جس نے گوشت پوست سب بہا دیا۔ دل و دماغ کو بیکار کر دیا جو اس تحمل میں خود ہی نا موزوں ہو رہا ہوں ایسی حالت میں اور احباب کا کلام بھی کما حقہ نہیں دیکھ سکتا۔ تقصیر خدمات سے قاصر و نادم ہوں کیونکہ اطبا اور ڈاکٹروں نے فتویٰ دے رکھا ہے کہ یہ موذی مرض دماغی محنت کی کثرت سے ہوا۔ اس لئے اب دماغ سے زیادہ کام نہ لو اور آرام دو۔ مجبوراً اور قہراً کتب بینی اور سخن جیسے رفیق دیرینہ کو خیرباد کہنا پڑا۔ اب نہ وہ امنگ رہی نہ جوش۔ نہ وہ چرچے رہے نہ صحبتیں

بعد مینائی کے لطف مے کشی نہ رہا　　وہ قدح ٹوٹ گیا اور وہ ساقی نہ رہا

داغ و تسلیم و جلال اٹھ گئے جانی نہ رہا　　کس سے ہیں داد سخن بزم میں کوئی نہ رہا

بنا علی ذالک نہ طاقت اصلاح ہے نہ جسارت کلام آپ کا کلام نفیس ہے مگر آپ کے اصرار اور خاطر عزیز و نازک کے خیال سے امتثالاً لامرہ کہیں کہیں بے جا یا بجا دخل و تصرف کر کے بھیجتا ہوں۔ ممکن ہے مقبول خاطر ناظر ہو۔ والسلام۔ حافظ صاحب کو خط لکھئے تو میرا سلام شوق ضرور لکھئے۔

خاکسار — زاہد

(۶) مکتوب حضرت دلگیر مارہروی (تلمیذ حضرت داغ دہلوی)

مارہرہ۔ ضلع ایٹہ

۲۱ر جون ۱۹۳۱ء

دلگیر نواز! سلام نیاز کے بعد یہ کہ عنایت نامہ ملا ذرہ نوازی کا شکریہ۔ میری حالت ناگفتہ بہ ہے اکثر علیل رہتا ہوں۔ دل و دماغ معطل سے رہتے ہیں اکثر احباب و اصحاب نے اس خدمت کے لئے نوازا۔ لیکن میں نے اپنی علالت اور شدائد مصائب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس خدمت کو محدود رکھا اور اپنی مجبوری ظاہر کر دی لیکن آپ کے لئے یہ شرط بالائے طاق رکھ دی۔

آپ کی غزل پڑھ کر دل بہت خوش ہوا۔ آپ کی طبیعت کا حسن اور شوخی انتہائی دلچسپ ہے ماشاء اللہ آپ مجھ سے بہتر کہتے ہیں۔ خدا اس حسن کو روز افزوں کرے۔ موجودہ ہفتہ میں دورہ پڑ چکا ہے۔ دل فردہ ہے

---

[1] پڑی ہے ہر اک کو اپنی اپنی ہے انبیا میں بھی نفسی نفسی
تمھیں کو اک شوق ہے امتی کی شفیع روز جزا تمھیں ہو

(آرزو لکھنوی)

دعائے خیر فرمایئے۔ بہر حال میں جس قابل ہوں خدمت کو حاضر ہوں۔ غزل بھیجئے انشاء اللہ تعمیل ہوتی رہے گی۔ خدا کرے آپ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہیں۔ والسلام۔ باقی آئندہ۔

دعاگو:۔ سید امیر حسن۔ دبیر

(۷) مکتوب حضرت جلیل مانکپوری

از حیدرآباد دکن

دلنوازا! سلام مسنون

آپ کے دو نوازش نامے آچکے ہیں شکرگزار ہوں۔ آپ کے شعر پر جو اعتراض کیا گیا ہے[1] درست نہیں ہے۔ آپ کا شعر بہت درست ہے۔ اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگر شراب کا لفظ ناجائز ہے تو قرآن سے بھی شراب کا لفظ نکلوا دیا جائے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن پاک میں "شرابا طہورا" آیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ شعر میں شراب غیر طاہر کہاں ہے۔ اس میں بھی شراب ہی مراد ہے۔ قرآن پاک میں بھی کئی جگہ صرف شراب کا لفظ آیا ہے۔ اگر ضرورت ہو تو وہ آیات لکھ کے بھیجے جا سکتے ہیں۔

میرا اور اپنا ایک شعر میں آنا درست ہے اس میں ختر گربہ نہیں ہو سکتا۔ میرا اور ہمارا آئے تو البتہ نادرست ہوگا۔

عربی کے دو جملے ضرب المثل ہیں جو فارسی اردو میں مستعمل ہیں اظہر من الشمس اور ذہین من کالامس۔ معنی یہ ہیں "ظاہر زیادہ آفتاب سے" اور "واضح زیادہ کل کے دن سے جو گذر گیا"۔

دوسرے خط کا جواب متعاقب بھیجوں گا والسلام۔

فصاحت جنگ جلیل کان اللہ

(۸) مکتوب حضرت اختر نگینوی

نگینہ ضلع بجنور محلہ سرائے میر

۱۷ مارچ ۱۹۳۳ء

عنایت فرمائے اختر! سلام مسنون

اس سے پہلے آپ کے کارڈ کا جواب بھیج دیا ہے۔ میں جس حالت میں ہوں قابل شکرالٰہی ہوں آپ کی مرسلہ طور پر کچھ شعر موزوں کرکے بھیجتا ہوں معلوم نہیں موزوں ہوئے یا نہیں۔ پھر شعریت سے کوسوں دور ہیں کسی شعر میں کوئی بات ہی نہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ بحر غیر مانوس اور متروک ہے استعمال میں مشق کی ضرورت ہے۔ برخوردار غضنفر آداب عرض کرتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ نظم کرنے میں مجھ سے فرد گذاشت بھی ہوگئی ہو والسلام

نیاز گستر:۔ اختر

---

[1] کسی نے ناشناس علمائے مکتبی نے والد مرحوم کے اس شعر:۔
مرض حرم میں سنتے ہیں قلت ہے آب کی ساقی وہاں بھی بھیجدے شراب کی
پر اعتراض کرکے کفر کا فتویٰ دیا تھا (۔۔م۔)

بقیہ

رسالہ دکن ریویو

تصور کرنا چاہئے۔ اس بحث پر زیادہ خیال آرائی کی گئی ہے۔ کانگرس والوں کے خیالات کی تشریح ہوئی ہے۔

دوسرا واقعہ شاہ ایران کے پارلیمنٹ قائم کرنے پر اظہار مسرت کیا گیا اور خوشی کا اعتراف ہے۔

تیسرا واقعہ ملا عبدالقیوم مرحوم کے انتقال کی خبر ہے۔ اس کے متعلق حسب ذیل صراحت ہے۔

اگرچہ ہم کو ان کے پولیٹیکل عقائد سے اختلاف تھا (کیونکہ ملا صاحب کانگرسی شخص اور اسی کا پرچار کرتے رہے) مگر ملا صاحب کے قومی کام ناقابل فراموش ہیں)۔

اس کے بعد مرقع مشاہیر میں بدرالدین طیب جی کے حالات درج ہیں۔ دراصل یہ انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے۔ انگریزی مضمون شمس طیب جی کا ہے۔ پرچہ کے آغاز میں بدرالدین طیب جی کا فوٹو بھی ہے۔

(۳) دکن ریویو کا تیسرا پرچہ مارچ و اپریل ۱۹۰۸ء کا ہے۔ جس کو سلسلہ جدید جلد سوم لکھا گیا ہے۔ اس پرچہ کے مضامین حسب ذیل ہیں:

(۱) ایڈیٹوریل	ایڈیٹر
(۲) تحفہ ارادت	؟
(۳) فنون لطیفہ ملک	معشوق حسین خاں
(۴) قصیدہ	مرزا محمد ہادی عزیز
(۵) نامہ روح	منظور حسن
(۶) مخمس	قطب الدین محمود
(۷) شبجہ	سید علی حیدر طباطبائی
(۸) غزل	ایضاً
(۹) بیکاری کے چند گھنٹے	مولوی جواد علی خاں عالی

اس رسالہ میں حسب ذیل کتابوں کے ریویو کے لئے وصول ہونے کی رسید دی گئی ہے۔

(۱) نورین ملک کی تلاش (۲) منازل السائرہ (۳) دل سوز (۴) ایک اندھی لڑکی کی سرگزشت (۵) اخلاق اور روحانی حقیقی امتحان کی تیاری (۶) تحفہ بے نظیر المعروف لب لباب مراعظم ایشیا (۷) فتاوی محمدی معہ شرح دیوبند (۸) الصالحات یعنی نیک بی بیاں (۹) آفتاب رسالت۔

افسوس ہے کہ کتب خانہ سالار جنگ کے ذخیرہ میں صرف یہی تین پرچے دکن ریویو کے دستیاب ہوئے ہیں۔ حالانکہ رسائل کا کافی ذخیرہ ہے۔

بزم سخن میں ڈاکٹر سری کرشن مہتاب کی شرکت

بزم سخن اڑیسہ کٹک کا سالانہ جلسہ ۲۱/جنوری کو زیر صدارت پدما شری لکشمی نارائن ساہو منعقد ہوا تھا جس میں اڑیسہ کے سابق وزیر اعلیٰ ڈاکٹر ہرے کرشن مہتاب نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔ جناب امجد نجمی نے اپنا شعری مجموعہ "طلوع سحر" جس کو انھوں نے ڈاکٹر مہتاب کے نام پر معنون کیا تھا موصوف کو ہدیہ کیا۔ ڈاکٹر مہتاب نے کتاب کو شکریہ کے ساتھ قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے بلکہ اس کو بنانے اور پروان چڑھانے میں بھارت کی تمام قوموں نے حصہ لیا ہے۔ اس میں دکنی، ہندی، انگریزی، سنسکرت، فارسی اور عربی الفاظ کا ایک معتد بہ ذخیرہ ہے۔ ڈاکٹر مہتاب نے یہ بھی کہا کہ اڑیسہ میں دو سو سالہ مغل راج نے اڑیا اور اردو کو قریب تر کر دیا ہے۔ فارسی کے سیکڑوں الفاظ اڑیا زبان میں گھل مل گئے ہیں۔ ہم کو چاہیے کہ اردو کے شعر و ادب کو اڑیا میں اور اڑیا کے شعر و ادب کو اردو میں ترجمہ کر کے دنیا کے سامنے پیش کریں تاکہ اس سے ایک دوسرے کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ بزم اگر اپنا نقطۂ نظر پیش کرے تو اڑیسہ ساہتیہ اکاڈمی اس کی ہر طرح سے ہمت افزائی کرے گی۔

صدر جلسہ پدما شری لکشمی نارائن ساہو نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ اردو ایک ہندوستانی زبان ہے اور اردو شاعری بہت دلکش ہے۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ بنگال کے قاضی نذر الاسلام کی طرح اڑیسہ بھی اڑیہ زبان کا کوئی مسلم شاعر ضرور پیدا کرے گا۔ اس کے بعد ایک غیر طرحی مشاعرہ ہوا۔

(عبد الصمد پبلسٹی سکریٹری)

اردو کسی مذہب کی زبان نہیں ہے

فرہنگ اثر کی تقریب میں یوپی کے وزیر اعلیٰ کی تقریر

لکھنؤ میں یوپی کے وزیر اعلیٰ شری چندر بھان گپتا کو نواب جعفر علی خاں اثر کی کتاب "فرہنگ اثر" پیش کی گئی۔ یہ کتاب اردو کے الفاظ اور محاوروں کی ایک لغت ہے اور اس کی اشاعت کے لئے ریاستی حکومت نے ۵ ہزار روپے دئے تھے۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے اعلان کیا کہ اردو زبان کسی مذہب کی زبان نہیں اور جو لوگ اس کی ترقی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں وہ صحیح راستہ پر نہیں ہیں۔ انھوں نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ اس ملک اور اس پردیش میں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو اردو کو وہ درجہ نہیں دینا چاہتے جو اسے ملنا چاہئے اور اس کے متعلق مختلف غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں۔

وزیر اعلیٰ نے اس بحث کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ بدقسمتی سے ملک تقسیم ہو گیا، چاہے یہ ہندوؤں کی غلطی سے ہوا ہو چاہے مسلمانوں کی غلطی سے اور اس کی وجہ سے لوگوں کے دل و دماغ میں بدگمانیاں پیدا ہو گئیں لیکن اردو کسی مذہب کی زبان نہیں ہے۔ یہ یہیں پیدا ہوئی اور پروان چڑھی۔ اس کی ترقی میں ہندوؤں، مسلمانوں دونوں کا ہاتھ ہے اور یہ بھارت دستور کی منظور شدہ زبانوں میں سے ایک ہے۔

وزیر اعلیٰ نے اردو والوں کو مشورہ دیا کہ وہ اس زبان کو فارسی کا جزو نہ بنائیں جس طرح کچھ لوگ ہندی کو سنسکرت کا جزو بناتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ دونوں زبانوں کو سلیس اور عام فہم ہونا چاہئے۔

وزیر اعلیٰ نے فرہنگ اثر کو قبول کرتے ہوئے اثر صاحب کا شکریہ ادا کیا اور اس بات کی تعریف کی کہ وہ ضعیفی میں بھی زبان و ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ ملک اور سماج کو فائدہ پہنچا رہے ہیں اور دوسروں کو راستہ دکھا رہے ہیں۔ ان کے اس کام سے نوجوانوں کو بھی سبق ملے گا۔

اردو ملک کے لئے مفید

پنڈت آنند نرائن ملا سابق جج الہ آباد ہائی کورٹ نے وزیر اعلیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ مرزا صاحب ہمیشہ کچھ نہ کچھ اردو کو دیتے رہتے ہیں اور یہی جذبہ دوسروں کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے۔ پنڈت جی نے کہا کہ ان کی بھی یہی کوشش ہوگی کہ وہ اردو کی خدمت کرتے رہیں۔

انھوں نے کہا کہ وزیر اعلیٰ نے اردو کے متعلق جو اظہار خیال کیا اس سے ہم سبھی متفق ہیں البتہ جو شکوک و شبہات باقی ہیں اب انھیں دور ہو جانا چاہئے۔ جن اسباب و وجوہ سے یہ شبہات تھے انھیں بھی اب ایک کافی عرصہ گزر گیا۔ تقسیم اور اس کے حالات اب ختم ہو چکے ہیں اور اب اردو کو اس کا جائز مقام مل جانا چاہئے۔

ملا صاحب نے کہا کہ میں بھی اپنے وطن سے محبت کرتا ہوں اگر یہ سمجھتا کہ اردو کی ترقی سے وطن کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو میں اس کے واسطے تیار ہو جاتا کہ اردو کو قربان کر دوں لیکن میں جانتا ہوں کہ اردو زبان کی ترقی وطن کے لئے مفید ہے۔ آج کل قومی یکجہتی کا سوال سب اٹھاتے ہیں اس کے لئے بھی اردو کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر اردو پر توجہ کی جائے تو قومی یکجہتی کو تقویت پہنچے گی۔

(نامہ نگار)

قومی یکجہتی کے لئے ادبی کانفرنس

۲۲ جنوری کو مدراس میں ادیبوں کی قومی یکجہتی کی کانفرنس اردو کے مشہور ادیب نیاز صاحب فتح پوری کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں مختلف زبانوں کے ادیبوں نے ایک تجویز کے ذریعہ اس بات کا اعلان کیا کہ بنیادی قومی قدروں کو مد نظر رکھتے ہوئے زندگی کی ایک مشترک راہ عمل تلاش کی جائے تاکہ قومی یکجہتی صحیح معنوں میں بروئے کار آ سکے اور جذباتی ہم آہنگی کے ساتھ ملک کے مستقبل کو شاندار بنایا جا سکے۔

ایک دوسرے رزولیوشن میں حکومت ہند سے درخواست کی گئی کہ وہ ایک ایسے ماہنامے کا اجرا کرے جس میں ہندوستان کی تمام زبانوں کی اچھی تخلیقات کے تراجم شائع کر سکے۔ حکومت سے یہ بھی کہا گیا کہ وہ وسیع پیمانے پر ملک کے ہر گوشے میں قومی یکجہتی کے پیش نظر اجتماعات کا انعقاد کرے۔

کانفرنس کا دستور العمل مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے صدر مسٹر کرشن دیو پرشاد گوڑ اور جنرل سکریٹری شری مسعود اختر جمال ہیں۔

شین کلیاتی بزم ادب اردو، جامعہ عثمانیہ

اردو نے عظیم [illegible] ملک کی جو خدمت کی ہے وہ [illegible] قومی یکجہتی کے لئے ایک بہترین ذریعہ بن [illegible] اردو [illegible] ایک ایسی زبان ہے جو [illegible] سمجھی اور بولی جاتی ہے [illegible] یہ زبان عوام [illegible] نہیں سکتی۔ وہ [illegible]

بقا و ترقی کے لئے اُردو داں طلبہ پر بھی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

مذکورہ امور کے پیش نظر طلبائے اُردو جامعہ عثمانیہ کی جانب سے سال گذشتہ (دسمبر ۶۰ء) جامعہ عثمانیہ سے ملحقہ تمام کالجوں پر مشتمل ایک بین کلیاتی بزم ادب اُردو کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ سال حال اس بزم کی مجلس عاملہ اور عہدیداروں کے متفقہ طور سے انتخابات عمل میں آئے ہیں۔

بین کلیاتی بزم اُردو جامعہ عثمانیہ نے اپنے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے طے کیا ہے کہ ماہ فروری ۶۲ء کی ۲۸ تا ۱۳ تاریخوں میں جشن اُردو منایا جائے اور اس میں شرکت کے لئے ہندوستان کی تمام جامعات اور کالجوں کے نمائندوں کو مدعو کیا جائے۔ اس طرح تمام جامعات اور کالجوں کے اُردو داں طلبہ اس اجتماع کے ذریعہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اُردو کے موجودہ اور آئندہ پیدا ہونے والے مسائل پر غور کر سکیں گے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جشن اُردو کے تحت منعقد ہونے والی تقاریب کے ذریعہ ان طالب علموں کی علمی توانائیوں اور ادبی صلاحیتوں کے اجاگر ہونے کا موقع بھی فراہم ہو سکے گا۔

(معتمد عمومی بزم ادب)

پہلا کل جنوبی ہند مشاعرہ

۱۳ جنوری ۱۹۶۲ء کی شب میں تمل ناڈ اُردو مجلس کے زیر اہتمام بلڈنگ فنڈ کے سلسلے میں ایک شاندار پہلا کل جنوبی ہند مشاعرہ پروفیسر حیدر علی خاں صاحب حیدر صدر شعبہ اُردو گورنمنٹ آرٹس کالج مدراس کی زیر صدارت ہوا۔ صدر مجلس ڈاکٹر فی ... صاحب نے اپنی مختصر مقدمی تقریر میں ٹرچناپلی کی ادبی تاریخ پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ آخر مشاعرہ میں شہر کے شعراء اور کہنہ مشق شاعر حضرت خسروی صاحب کو ایک شال آپ کی دیرینہ خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے پیش کی گئی۔ مشاعرہ میں مقامی شعراء کے علاوہ شمال اور جنوب کے مشاہیر شعراء نے شرکت کی۔

(سکریٹری تمل ناڈ اُردو مجلس)

جمال محمد کالج اُردو، ہندی ایسوسی ایشن کا عصرانہ

جمال محمد کالج (ٹرچناپلی) کی اردو، ہندی ایسوسی ایشن نے ۱۴ جنوری ۶۲ء کو ان شعراء کو ایک عصرانہ دیا جنھوں نے تمل ناڈ اُردو مجلس کے مشاعرے میں شرکت کی تھی۔

عصرانے کے بعد ام. جے. محمد سعید صاحب پرنسپل جمال محمد کالج کی صدارت میں مشاعرہ بھی منعقد ہوا۔

(سکریٹری)

احمد آباد میں ایک مشاعرہ

۷ جنوری اتوار رات کو ساڑھے نو بجے ایک مشاعرہ پریمابھائی ہال میں شری اُرین بھائی بیرونٹ کی صدارت میں ہوا۔ مہمان شاعروں میں بشیر بدر، شہریار ایم۔ اے۔ اور پروفیسر بل کرشن اشک کے نام قابل ذکر ہیں۔

مقامی شاعروں میں فخر گجرات قبلہ فیض قادری، حضرت کلیم احمد آبادی۔ بشر احمد زخمی۔ بانی مشاعرہ محمد علوی۔ جمیل نگینوی۔ رحمت امروہوی۔ سرشار بلند شہری۔ شید اکامل۔ جمال قریشی۔ تاج ٹونکی۔ جوزف انور اور عادل منصوری نے اپنا کلام سنایا۔

(عادل منصوری)

پبلشر نذیر حسن پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا